تفہیم القرآن

المجادلہ

(۲)

(بقیہ حاشیہ ۱۱)

۷۔ ایک بیوی سے کئی مرتبہ ظہار کے الفاظ کہے گئے ہوں تو حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ خواہ ایک ہی نشست میں ایسا کیا گیا ہو یا متعدد نشستوں میں، بہر حال جتنی مرتبہ یہ الفاظ کہے گئے ہوں اُتنے ہی کفارے لازم آئیں گے، اِلّا یہ کہ کہنے والے نے ایک دفعہ کہنے کے بعد اس قول کی تکرار محض اپنے پہلے قول کی تاکید کے لیے کی ہو۔ بخلاف اس کے امام مالک اور امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی مرتبہ اس قول کی تکرار کی گئی ہو، قطع نظر اس سے کہ اعادہ کی نیت ہو یا تاکید کی، کفارہ ایک ہی لازم ہوگا۔ یہی قول شعبی، طاؤس، عطاء بن ابی رَباح، حسن بصری، اور اَوزاعی رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر تکرار ایک نشست میں کی گئی ہو تو ایک ہی کفارہ ہوگا، اور مختلف نشستوں میں ہو تو جتنی نشستوں میں کی گئی ہو اُتنے ہی کفارے دینے ہونگے۔ قَتادہ اور عَمرو بن دینار کی رائے بھی یہی ہے۔

۸۔ دو یا زائد بیویوں سے بیک وقت اور بیک لفظ ظہار کیا جائے، مثلاً اُن کو مخاطب کرکے شوہر کہے کہ تم میرے اوپر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پیٹھ، تو حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر ایک کو حلال کرنے کے لیے الگ الگ کفارے دینے ہونگے۔ یہی رائے حضرت عمر، حضرت علی، عروہ بن زبیر، طاؤس، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نَخعی، سفیان ثوری، اور ابن شہاب زہری کی ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں سب کے لیے ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔ رَبیعہ، اَوزاعی، اسحاق بن راہَوَیہ اور ابو ثور کی بھی یہی رائے ہے۔

۹۔ ایک ظہار کا کفارہ دینے کے بعد اگر آدمی پھر ظہار کر بیٹھے تو یہ امر متفق علیہ ہے کہ پھر کفارہ دیئے بغیر بیوی

اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔

۱۰۔ کفارہ ادا کرنے سے پہلے اگر بیوی سے تعلق زن و شو قائم کر بیٹھا ہو تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اگرچہ یہ گناہ ہے اور آدمی کو اس پر استغفار کرنا چاہیے، اور پھر اس کا اعادہ نہ کرنا چاہیے، مگر کفارہ اسے ایک ہی دینا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں جن لوگوں نے ایسا کیا تھا ان سے آپ نے یہ تو فرمایا تھا کہ استغفار کرو اور اُس وقت تک بیوی سے الگ رہو جب تک کفارہ ادا نہ کر دو، مگر یہ حکم آپ نے نہیں دیا تھا کہ کفارۂ ظہار کے علاوہ اِس پر انہیں کوئی اور کفارہ بھی دینا ہوگا۔ حضرت عَمْرو بن عاص، قَبِیصہ بن ذُوَیب، سعید بن جُبَیر، زُہری اور قَتادہ کہتے ہیں کہ اس پر دو کفارے لازم ہونگے۔ اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی کی رائے یہ ہے کہ تین کفارے دینے ہونگے۔ غالباً اِن حضرات کو وہ احادیث نہ پہنچی ہونگی جن میں اِس مسئلہ پر حضورؐ کا فیصلہ بیان ہُوا ہے۔

۱۱۔ بیوی کو کس سے تشبیہ دینا ظہار ہے؟ اِس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

عامر شَعْبی کہتے ہیں کہ صرف ماں سے تشبیہ ظہار ہے، اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ماں کی بھی صرف پیٹھ سے تشبیہ ظہار ہے، باقی اور کسی بات پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مگر فقہاء امت میں سے کسی گروہ نے بھی اُن سے اِس معاملہ میں اتفاق نہیں کیا ہے، کیونکہ قرآن نے ماں سے تشبیہ کو گناہ قرار دینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ نہایت بیہودہ اور جھوٹی بات ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن عورتوں کی حرمت ماں جیسی ہے ان کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا بیہودگی اور جھوٹ میں اس سے کچھ مختلف نہیں ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اس کا حکم وہی نہ ہو جو ماں سے تشبیہ کا حکم ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں تمام وہ عورتیں داخل ہیں جو نسب یا رضاعت، یا ازدواجی رشتہ کی بنا پر آدمی کے لیے ابداً حرام ہیں۔ مگر وقتی طور پر جو عورتیں حرام ہوں اور کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں وہ اس میں داخل نہیں ہیں جیسے بیوی کی بہن، اس کی خالہ، اس کی پھوپھی، یا غیر عورت جو آدمی کے نکاح میں نہ ہو۔ ابدی محرّمات میں سے کسی عورت کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس پر نظر ڈالنا آدمی کے لیے حلال نہ ہو، ظہار ہوگا۔ البتہ بیوی کے ہاتھ، پاؤں، سر، بال، دانت وغیرہ کو ابداً حرام عورت کی پیٹھ سے، یا بیوی کو اُس کے سر، ہاتھ، پاؤں جیسے اجزائے جسم سے تشبیہ دینا ظہار نہ ہوگا کیونکہ ماں بہن کے ان اعضاء پر نگاہ ڈالنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ تیرا ہاتھ میری ماں کے ہاتھ جیسا ہے، یا تیرا پاؤں میری ماں کے پاؤں جیسا ہے، ظہار نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں صرف وہی عورتیں داخل ہیں جو ہمیشہ حرام تھیں اور ہمیشہ حرام رہیں، یعنی ماں بہن، بیٹی وغیرہ۔ مگر وہ عورتیں اِس میں داخل نہیں ہیں جو کبھی حلال رہ چکی ہوں، جیسے رضاعی ماں بہن، ساس اور بہو، یا کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں، جیسے سالی۔ ان عارضی یا وقتی حرام عورتوں کے ماسوا ابدی حرمت رکھنے والی عورتوں میں سے کسی کے اُن اعضا کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہوگا جن کا ذکر بغرضِ اظہارِ اکرام و توقیر عادۃً نہیں کیا جاتا۔ رہے وہ اعضا جن کا اظہار اکرام و توقیر کے لیے کیا جاتا ہے تو ان سے تشبیہ صرف اُس صورت میں ظہار ہوگی جبکہ یہ بات ظہار کی نیت سے کہی جائے۔ مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لیے میری ماں کی آنکھ یا جان کی طرح ہے، یا ماں کے ہاتھ، پاؤں یا پیٹ کی طرح ہے، یا ماں کے پیٹ یا سینے سے بیوی کے پیٹ یا سینے کو تشبیہ دینا، یا بیوی کے سر، پیٹھ یا ہاتھ کو اپنے لیے ماں کی پیٹھ جیسا قرار دینا، یا بیوی کو یہ کہنا کہ تو میرے لیے میری ماں جیسی ہے۔ ظہار کی نیت سے ہو تو ظہار ہے اور عزت کی نیت سے ہو تو عزت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر عورت جو آدمی کے لیے حرام ہو، اُس سے بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے حتیٰ کہ بیوی سے یہ کہنا بھی ظہار کی تعریف میں آتا ہے کہ تو میرے اوپر فلاں غیر عورت کی پیٹھ جیسی ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ ماں اور ابدی محرّمات کے کسی عضو سے بیوی کو یا بیوی کے کسی عضو کو تشبیہ دینا ظہار ہے، اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اعضا ایسے ہوں جن پر نظر ڈالنا حلال نہ ہو، کیونکہ ماں کے کسی عضو پر بھی اُس طرح کی نظر ڈالنا جیسی بیوی پر ڈالی جاتی ہے، حلال نہیں ہے۔

حنابلہ اس حکم میں تمام ان عورتوں کو داخل سمجھتے ہیں جو ابداً حرام ہوں، خواہ وہ پہلے کبھی حلال رہ چکی ہوں، مثلاً ساس، یا دُودھ پلانے والی ماں۔ رہیں وہ عورتیں جو بعد میں کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں (مثلاً سالی)، تو اُن کے معاملہ میں امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ بھی ظہار ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ ظہار نہیں ہے۔ نیز حنابلہ کے نزدیک بیوی کے کسی عضو کو محرّمات کے کسی عضو سے تشبیہ دینا ظہار کی تعریف میں آجاتا ہے۔ البتہ بال، ناخن، دانت جیسے غیر مستقل اجزاءِ جسم اس حکم سے خارج ہیں۔

۱۲۔ اس امر میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی سے یہ کہنا کہ "تو میرے اُوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے" صریح ظہار ہے کیونکہ اہلِ عرب میں یہی ظہار کا طریقہ تھا اور قرآن مجید کا حکم اِسی کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ البتہ اس امر میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ دوسرے الفاظ میں سے کون سے ایسے ہیں جو صریح ظہار کے حکم میں ہیں، اور کون سے ایسے ہیں جن کے ظہار ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ قائل کی نیت پر کیا جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ وہ ہیں جن میں صاف طور پر حلال عورت (بیوی) کو حرام عورت (یعنی محرماتِ ابدیہ میں سے کسی عورت) سے تشبیہ دی گئی ہو، یا تشبیہ ایسے عضو سے دی گئی ہو جس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے، جیسے یہ کہنا کہ تو میرے اوپر ماں یا فلاں حرام عورت کے پیٹ یا ران جیسی ہے۔ ان کے سوا دوسرے الفاظ میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ اگر کہے کہ "تو میرے اوپر حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ" تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ صریح ظہار ہے، لیکن امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہے اور طلاق کی نیت ہو تو طلاق۔ اگر کہے کہ "تو میری ماں جیسی ہے یا میری ماں کی طرح ہے" تو حنفیہ کا عام فتویٰ یہ ہے کہ یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے، طلاق کی نیت سے طلاقِ بائن، اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو بے معنی ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک یہ قطعی ظہار ہے۔ اگر بیوی کو ماں یا بہن یا بیٹی کہہ کر پکارے تو یہ سخت بیہودہ بات ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کا اظہار فرمایا تھا، مگر اسے ظہار نہیں قرار دیا۔ اگر کہے کہ "تو میرے اوپر ماں کی طرح حرام ہے" تو یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے، طلاق کی نیت سے طلاق، اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ اگر کہے کہ "تو میرے لیے ماں کی طرح یا ماں جیسی ہے" تو نیت پوچھی جائے گی۔ عزت اور توقیر کی نیت سے کہا ہو تو عزت اور توقیر ہے۔ ظہار کی نیت سے کہا ہو تو ظہار ہے۔ طلاق کی نیت سے کہا ہو تو طلاق ہے۔ کوئی نیت نہ ہو اور یونہی یہ بات کہہ دی ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے معنی ہے، امام ابویوسف کے نزدیک اس پر ظہار کا تو نہیں مگر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، اور امام محمد کے نزدیک یہ ظہار ہے۔

شافعیہ کے نزدیک طلاق کے صریح الفاظ یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے تو میرے نزدیک، یا میرے ساتھ یا میرے لیے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ۔ یا تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ یا تیرا جسم، یا تیرا بدن، یا تیرا نفس میرے لیے میری ماں کے جسم یا بدن یا نفس کی طرح ہے۔ ان کے سوا باقی تمام الفاظ میں قائل کی نیت پر فیصلہ ہو گا۔

حنابلہ کے نزدیک ہر وہ لفظ جس سے کسی شخص نے بیوی کو یا اس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عضو کو کسی ایسی عورت سے جو اس کے لیے حرام ہے، یا اس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عضو سے صاف صاف تشبیہ دی ہو، ظہار کے معاملہ میں صریح مانا جائے گا۔ مالکیہ کا مسلک ..... بھی قریب قریب یہی ہے، البتہ تفصیلات میں اُن کے فتوے الگ الگ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کا بیوی سے یہ کہنا کہ "تو میرے لیے میری ماں جیسی ہے یا میری ماں کی طرح ہے" مالکیوں کے نزدیک ظہار کی نیت سے ہو تو ظہار ہے، طلاق کی نیت سے ہو تو طلاق، اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ حنبلیوں

کے نزدیک یہ بشرطِ نیت صرف ظہار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بیوی سے کہے کہ "تو میری ماں ہے" تو مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ بات اگر جھگڑے اور غصے کی حالت میں کہی گئی ہو تو ظہار ہے، اور پیار محبت کی بات چیت میں کہی گئی ہو تو گو یہ بہت ہی بُری بات ہے لیکن ظہار نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے "تجھے طلاق ہے تو میری ماں کی طرح ہے" تو حنابلہ کے نزدیک یہ طلاق ہے نہ کہ ظہار، اور اگر کہے "تو میری ماں کی طرح ہے تجھے طلاق ہے" تو ظہار اور طلاق دونوں واقع ہو جائیں گے۔ یہ کہنا کہ "تو میرے اوپر ایسی حرام ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ"، مالکیہ اور حنابلہ دونوں کے نزدیک ظہار ہے خواہ طلاق ہی کی نیت سے یہ الفاظ کہے گئے ہوں، یا نیت کچھ بھی نہ ہو۔

الفاظِ ظہار کی اِس بحث میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فقہاء نے اس باب میں جتنی بحثیں کی ہیں وہ سب عربی زبان کے الفاظ اور محاورات سے تعلق رکھتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری زبانیں بولنے والے نہ عربی زبان میں ظہار کریں گے، نہ ظہار کرتے وقت عربی الفاظ اور فقروں کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ زبان سے ادا کریں گے۔ اس لیے کسی لفظ یا فقرے کے متعلق اگر یہ فیصلہ کرنا ہو کہ وہ ظہار کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں، تو اسے اس لحاظ سے نہیں جانچنا چاہیے کہ وہ فقہاء کے بیان کردہ الفاظ میں سے کس کا صحیح ترجمہ ہے، بلکہ صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا قائل نے بیوی کو جنسی (SEXUAL) تعلق کے لحاظ سے محرمات میں سے کسی کے ساتھ صاف صاف تشبیہ دی ہے، یا اس کے الفاظ میں دوسرے مفہومات کا بھی احتمال ہے؟ اس کی نمایاں ترین مثال خود وہ فقرہ ہے جس کے متعلق تمام فقہاء اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ عرب میں ظہار کے لیے وہی بولا جاتا تھا اور قرآن مجید کا حکم اسی کے بارے میں نازل ہوا ہے، یعنی اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی (تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے)۔ غالباً دنیا کی کسی زبان میں، اور کم از کم اردو کی حد تک تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس زبان میں کوئی ظہار کرنے والا ایسے الفاظ استعمال نہیں کر سکتا جو اس عربی فقرے کا لفظی ترجمہ ہوں۔ البتہ وہ اپنی زبان کے ایسے الفاظ ضرور استعمال کر سکتا ہے جن کا مفہوم ٹھیک وہی ہو جسے ادا کرنے کے لیے ایک عرب یہ فقرہ بولا کرتا تھا۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ "تجھ سے مباشرت میرے لیے ایسی ہے جیسے اپنی ماں سے مباشرت"، یا جیسے بعض جہلا بیوی سے کہہ بیٹھتے ہیں کہ "تیرے پاس آؤں تو اپنی ماں کے پاس جاؤں"۔

۱۳۔ قرآن مجید میں جس چیز کو کفارہ لازم آنے کا سبب قرار دیا گیا ہے وہ محض ظہار نہیں ہے بلکہ ظہار کے بعد "عَود" ہے۔ یعنی اگر آدمی صرف ظہار کر کے رہ جائے اور عَود نہ کرے تو اس پر کفارہ لازم نہیں آتا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ عَود

کیا ہے جو کفارہ کا موجب ہے ؟ اس بارے میں فقہاء کے مسالک یہ ہیں :

حنفیہ کہتے ہیں کہ عَود سے مراد مباشرت کا ارادہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محض ارادے اور خواہش پر کفارہ لازم آجاتے، حتیٰ کہ اگر آدمی ارادہ کر کے رہ جائے اور عملی اقدام نہ کرے تب بھی اسے کفارہ دینا پڑے، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اُس حرمت کو رفع کرنا چاہے جو اس نے ظہار کر کے بیوی کے ساتھ تعلقِ زن و شو کے معاملہ میں اپنے اُوپر عائد کر لی تھی وہ پہلے کفارہ دے، کیونکہ یہ حُرمت کفارہ کے بغیر رفع نہیں ہو سکتی۔

امام مالکؒ کے اِس معاملہ میں تین قول ہیں۔ مگر مالکیہ کے ہاں اُن کا مشہور ترین اور صحیح ترین قول اُس مسلک کے مطابق ہے جو اُوپر حنفیہ کا بیان ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار سے جس چیز کو اُس نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا وہ بیوی کے ساتھ مباشرت کا تعلق تھا۔ اُس کے بعد عَود یہ ہے کہ وہ اُس کے ساتھ یہی تعلق رکھنے کے لیے پلٹے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی ابن قدامہ نے قریب قریب وہی نقل کیا ہے جو اوپر دونوں اماموں کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار کے بعد مباشرت کے حلال ہونے کے لیے کفارہ شرط ہے۔ ظہار کرنے والا جو شخص اسے حلال کرنا چاہے وہ گویا تحریم سے پلٹنا چاہتا ہے۔ اس لیے اسے حکم دیا گیا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے کفارہ دے، ٹھیک اُسی طرح جیسے کوئی شخص ایک غیر عورت کو اپنے لیے حلال کرنا چاہے تو اس سے کہا جائے گا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے نکاح کرے۔

امام شافعیؒ کا مسلک ان تینوں سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی کا اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اسے حسبِ سابق بیوی بنائے رکھنا، یا بالفاظِ دیگر اسے بیوی کی حیثیت سے روکے رکھنا عَود ہے۔ کیونکہ جس وقت اس نے ظہار کیا اُسی وقت گویا اُس نے اپنے لیے یہ بات حرام کر لی کہ اُسے بیوی بنا کر رکھے۔ لہٰذا اگر اس نے ظہار کرتے ہی فوراً اسے طلاق نہ دی اور اتنی دیر تک اُسے روکے رکھا جس میں وہ طلاق کے الفاظ زبان سے نکال سکتا تھا، تو اس نے عَود کر لیا اور اس پر کفارہ واجب ہو گیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک سانس میں ظہار کرنے کے بعد اگر آدمی دوسرے ہی سانس میں طلاق نہ دے دے تو کفارہ لازم آجائے گا، خواہ بعد میں اس کا فیصلہ یہی ہو کہ اس عورت کو بیوی بنا کر نہیں رکھنا ہے، اور اس کا کوئی ارادہ اس کے ساتھ تعلقِ زن و شو رکھنے کا نہ ہو۔ حتیٰ کہ چند منٹ غور کر کے وہ بیوی کو طلاق بھی دے ڈالے تو امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے کفارہ اس کے ذمّہ لازم رہے گا۔

۱۴۔ قرآن کا حکم ہے کہ ظہار کرنے والا کفارہ دے قبل اس کے کہ زوجین ایک دوسرے کو "مس" کریں۔ ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں مس سے مراد چھونا ہے۔ اس لیے کفارہ سے پہلے صرف مباشرت ہی حرام نہیں ہے بلکہ شوہر کسی طرح بھی بیوی کو چھو نہیں سکتا۔ شافعیہ شہوت کے ساتھ چھونے کو حرام کہتے ہیں، حنابلہ ہر طرح کے تلذّذ کو حرام قرار دیتے ہیں، اور مالکیہ لذت کے لیے بیوی کے جسم پر بھی نظر ڈالنے کو ناجائز ٹھیراتے ہیں اور ان کے نزدیک صرف چہرے اور ہاتھوں پر نظر ڈالنا اس سے مستثنیٰ ہے۔

۱۵۔ ظہار کے بعد اگر آدمی بیوی کو طلاق دے دے تو رجعی طلاق ہونے کی صورت میں رجوع کر کے بھی وہ کفارہ دیئے بغیر اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ بائن ہونے کی صورت میں اگر اس سے دوبارہ نکاح کرے تب بھی اسے ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ دینا ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر تین طلاق دے چکا ہو، اور عورت دوسرے آدمی سے نکاح کرنے کے بعد بیوہ یا مطلقہ ہو چکی ہو، اور اس کے بعد ظہار کرنے والا شوہر اس سے ازسرِنو نکاح کرلے، پھر بھی کفارے کے بغیر وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اسے ماں یا محرّمات سے تشبیہ دے کر اپنے اوپر ایک دفعہ حرام کر چکا ہے، اور یہ حُرمت کفارے کے بغیر رفع نہیں ہو سکتی۔ اِس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

۱۶۔ عورت کے لیے لازم ہے کہ جس شوہر نے اس کے ساتھ ظہار کیا ہے اسے ہاتھ نہ لگانے دے جب تک وہ کفارہ ادا نہ کرے۔ اور چونکہ تعلقِ زن و شو عورت کا حق ہے جس سے ظہار کر کے شوہر نے اسے محروم کیا ہے، اس لیے اگر وہ کفارہ نہ دے تو بیوی عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ عدالت اس کے شوہر کو مجبور کرے گی کہ وہ کفارہ دے کر حرمت کی وہ دیوار ہٹائے جو اس نے اپنے اور اُس کے درمیان حائل کر لی ہے۔ اور اگر وہ نہ مانے تو عدالت اسے ضرب یا قید یا دونوں طرح کی سزائیں دے سکتی ہے۔ یہ بات بھی چاروں مذاہبِ فقہ میں متفق علیہ ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ مذہب حنفی میں عورت کے لیے صرف یہی ایک چارۂ کار ہے، ورنہ ظہار پر خواہ کتنی ہی مدت گزر جاتے، عورت کو اگر عدالت اس مشکل سے نہ نکالے تو وہ تمام عمر معلق رہے گی، کیونکہ ظہار سے نکاح ختم نہیں ہوتا، صرف شوہر کا حقِ تمتّع سلب ہوتا ہے۔ مالکی مذہب میں اگر شوہر عورت کو ستانے کے لیے ظہار کر کے معلّق چھوڑ دے تو اس پر ایلاء کے احکام جاری ہوں گے، یعنی وہ چار مہینے سے زیادہ عورت کو روک کر نہیں رکھ سکتا (احکامِ ایلاء کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اوّل، البقرہ، حواشی ۲۴۵ تا ۲۴۶)۔ شافعیہ کے نزدیک اگرچہ ظہار میں احکامِ ایلاء تو صرف اُس وقت جاری ہو سکتے ہیں جبکہ

شوہر نے ایک مدتِ خاص کے لیے ظہار کیا ہو اور وہ مدت چار مہینے سے زیادہ ہو، لیکن چونکہ مذہب شافعی کی رو سے شوہر پر اُسی وقت کفارہ واجب ہو جاتا ہے جب وہ عورت کو بیوی بنا کر رکھے رہے، اس لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ کسی طویل مدت تک اس کو معلق رکھے۔

۱۷۔ قرآن اور سنت میں تصریح ہے کہ ظہار کا پہلا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اس سے آدمی عاجز ہو تب وہ مہینے کے روزوں کی شکل میں کفارہ دے سکتا ہے۔ اور اس سے بھی عاجز ہو تب ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ لیکن اگر تینوں کفاروں سے کوئی شخص عاجز ہو تو چونکہ شریعت میں کفارے کی کوئی اور شکل نہیں رکھی گئی ہے اس لیے اُسے اُس وقت تک انتظار کرنا ہوگا جب تک وہ ان میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو جائے۔ البتہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ ایسے شخص کی مدد کی جانی چاہیے تاکہ وہ تیسرا کفارہ ادا کر سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال سے ایسے لوگوں کی مدد فرمائی ہے جو اپنی غلطی سے اس مشکل میں پھنس گئے تھے اور تینوں کفاروں سے عاجز تھے۔

۱۸۔ قرآن مجید کفارہ میں رَقَبَہ آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے جس کا اطلاق لونڈی اور غلام دونوں پر ہوتا ہے اور اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ شیر خوار بچہ بھی اگر غلامی کی حالت میں ہو تو اسے آزاد کر دینا کفارہ کے لیے کافی ہے۔ البتہ فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا مومن اور کافر، دونوں قسم کے غلام آزاد کیے جا سکتے ہیں یا صرف مومن غلام ہی آزاد کرنا ہوگا۔ حنفیہ اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ غلام خواہ مومن ہو یا کافر، اس کا آزاد کر دینا کفارۂ ظہار کے لیے کافی ہے کیونکہ قرآن میں مطلق رَقَبَہ کا ذکر ہے، یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ مومن ہی ہونا چاہیے۔ بخلاف اس کے شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ اس کے لیے مومن کی شرط لگاتے ہیں، اور انہوں نے اس حکم کو اُن دوسرے کفاروں پر قیاس کیا ہے جن میں رقبہ کے ساتھ قرآن مجید میں مومن کی قید لگائی گئی ہے۔

۱۹۔ غلام نہ پانے کی صورت میں قرآن کا حکم ہے کہ ظہار کرنے والا مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے قبل اس کے کہ زوجین ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اس فرمانِ الٰہی پر عمل کرنے کی تفصیلات مختلف فقہی مذاہب میں حسبِ ذیل ہیں:

الف۔ اس امر پر اتفاق ہے کہ مہینوں سے مُراد ہلالی مہینے ہیں۔ اگر طلوعِ ہلال سے روزوں کا آغاز کیا جائے تو دو مہینے پُورے کرنے ہوں گے۔ اگر بیچ میں کسی تاریخ سے شروع کیا جائے تو حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ

۶۰ روزے رکھنے چاہییں۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ پہلے اور تیسرے مہینے میں مجموعی طور پر ۳۰ روزے رکھے اور بیچ کا ہلالی مہینہ خواہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا، اُس کے روزے رکھ لینے کافی ہیں۔

ب۔ حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ روزے ایسے وقت شروع کرنے چاہییں جبکہ بیچ میں نہ رمضان آئے نہ عیدین نہ یوم النحر، نہ ایام تشریق۔ کیونکہ کفارہ کے روزے رکھنے کے دوران میں رمضان کے روزے رکھنے اور عیدین اور یوم النحر اور ایام تشریق کے روزے چھوڑنے سے دو مہینے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ بیچ میں رمضان کے روزے رکھنے اور حرام دنوں کے روزے نہ رکھنے سے تسلسل نہیں ٹوٹتا۔

ج۔ دو مہینوں کے دوران میں خواہ آدمی کسی عذر کی بنا پر روزہ چھوڑے یا بلا عذر، دونوں صورتوں میں حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہونگے۔ یہی رائے امام محمد باقر، ابراہیم نخعی، سعید بن جُبیر اور سُفیان ثوری کی ہے۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مرض یا سفر کے عذر سے بیچ میں روزہ چھوڑا جا سکتا ہے اور اس سے تسلسل نہیں ٹوٹتا، البتہ بلا عذر روزہ چھوڑ دینے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ کفارہ کے روزے رمضان کے فرض روزوں سے زیادہ مؤکّد نہیں ہیں۔ جب اُن کو عذر کی بنا پر چھوڑا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اِن کو نہ چھوڑا جا سکے۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن عباس، حسن بصری، عطاء بن ابی رَباح، سعید بن المُسیّب، عَمرو بن دینار، شَعْبی، طاؤس، مجاہد، اسحاق بن راہَوَیہ، ابو عُبید اور ابو ثَور کا ہے۔

د۔ دو مہینوں کے دوران میں اگر آدمی اُس بیوی سے مباشرت کر بیٹھے جس سے اس نے ظہار کیا ہو، تو تمام ائمہ کے نزدیک اس سے تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہونگے، کیونکہ ہاتھ لگانے سے پہلے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۰۔ قرآن اور سنت کی رُو سے تیسرا کفارہ (یعنی ۶۰ مسکینوں کا کھانا) وہ شخص دے سکتا ہے جو دوسرے کفارے دو مہینے کے مسلسل روزوں کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ اِس حکم پر عملدرآمد کرنے کے لیے فقہاء نے جو تفصیلی احکام مرتب کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

الف۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک روزوں پر قادر نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی یا تو بڑھاپے کی وجہ سے قادر نہ ہو، یا مرض کے سبب سے، یا اِس سبب سے کہ وہ مسلسل دو مہینے تک مباشرت سے پرہیز نہ کرسکتا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ اس دوران میں کہیں بے صبری نہ کر بیٹھے۔ اِن تینوں عذرات کا صحیح ہونا اُن احادیث سے ثابت ہے جو اَوس بن صامت انصاری اور سَلَمہ بن صَخر بَیاضی کے معاملہ میں وارد ہوئی ہیں۔ البتہ مرض کے معاملہ میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مرض کا عُذر اُس صورت میں صحیح ہو گا جبکہ یا تو اس کے زائل ہونے کی امید نہ ہو، یا روزوں سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر روزوں سے ایسی شدید مشقت لاحق ہوتی ہو جس سے آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ دو مہینے کے دوران میں کہیں سلسلہ منقطع نہ کرنا پڑے، تو یہ عذر بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی کا گمانِ غالب یہ ہو کہ وہ مستقبل میں روزہ رکھنے کے قابل ہو سکے گا تو انتظار کرے، اور اگر گمانِ غالب اِس قابل نہ ہو سکنے کا ہو تو مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ روزے سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ بالکل کافی عُذر ہے۔

ب۔ کھانا صرف اُن مساکین کو دیا جا سکتا ہے جن کا نفقہ آدمی کے ذمہ واجب نہ ہوتا ہو۔

ج۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کھانا مسلمان اور ذمّی، دونوں قسم کے مساکین کو دیا جا سکتا ہے، البتہ حربی اور مُستامن کُفّار کو نہیں دیا جا سکتا۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ صرف مسلمان مساکین ہی کو دیا جا سکتا ہے۔

د۔ یہ امر متفق علیہ ہے کہ کھانا دینے سے مراد دو وقت کا پیٹ بھر کھانا دینا ہے۔ البتہ کھانا دینے کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دو وقت کی شکم سیری کے قابل غلّہ دے دینا، یا کھانا پکا کر دو وقت کھلا دینا، دونوں یکساں صحیح ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اِطعام کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی خوراک دینے کے بھی ہیں اور کھلانے کے بھی۔ مگر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ پکا کر کھلانے کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ غلّہ دے دینا ہی ضروری قرار دیتے ہیں۔ غلّہ دینے کی صورت میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ وہ غلّہ دینا چاہیے جو اُس شہر یا علاقے کے لوگوں کی عام غذا ہو۔ اور سب مسکینوں کو برابر دینا چاہیے۔

ھ۔ حنفیہ کے نزدیک اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰ دن تک کھانا دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے، البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک ہی دن اُسے ۶۰ دنوں کی خوراک دے دی جائے۔ لیکن باقی تینوں مذاہب ایک مسکین کو دینا صحیح نہیں

یہ حکم اس لیے دیا جارہا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ٙ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں

سمجھتے۔ ان کے نزدیک ۶۰ ہی مساکین کو دینا ضروری ہے۔ اور یہ بات چاروں مذاہب میں جائز نہیں ہے کہ ۶۰ آدمیوں کو ایک وقت کی خوراک اور دوسرے ۶۰ آدمیوں کو دوسرے وقت کی خوراک دی جائے۔

و۔ یہ بات چاروں مذاہب میں سے کسی میں جائز نہیں ہے کہ آدمی ۳۰ دن کے روزے رکھے اور ۳۰ مسکینوں کو کھانا دے۔ دو کفارے جمع نہیں کیے جاسکتے۔ روزے رکھنے ہوں تو پورے دو مہینوں کے مسلسل رکھنے چاہییں۔ کھانا کھلانا ہو تو ۶۰ مسکینوں کو کھلایا جائے۔

ز۔ اگرچہ قرآن مجید میں کفارۂ طعام کے متعلق یہ الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ہیں کہ یہ کفارہ بھی زوجین کے ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ادا ہونا چاہیے، لیکن فحوائے کلام اس کا مقتضی ہے کہ اس تیسرے کفارے پر بھی اس قید کا اطلاق ہوگا۔ اسی لیے ائمۂ اربعہ نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے کہ کفارۂ طعام کے دوران میں آدمی بیوی کے پاس جائے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ جو شخص ایسا کر بیٹھے اس کے متعلق حنابلہ یہ حکم دیتے ہیں کہ اسے ازسرِ نو کھانا دینا ہوگا۔ اور حنفیہ اس معاملہ میں رعایت کرتے ہیں، کیونکہ اس تیسرے کفارے کے معاملے میں مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا کی صراحت نہیں ہے اور یہ چیز رعایت کی گنجائش دیتی ہے۔

یہ احکام فقہ کی حسبِ ذیل کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں: فقہ حنفی: ہدایہ۔ فتح القدیر۔ بدائع الصنائع۔ احکام القرآن للجصاص۔ فقہ شافعی: المنہاج للنووی مع شرح مغنی المحتاج۔ تفسیر کبیر۔ فقہ مالکی: حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر۔ بدایۃ المجتہد۔ احکام القرآن ابن عربی۔ فقہ حنبلی: المغنی لابن قدامہ۔ فقہ ظاہری: المحلّٰی لابن حزم۔

ٙ یہاں "ایمان لانے" سے مراد سچے اور مخلص مومن کا سا رویہ اختیار کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ آیت کے مخاطب کفار و مشرکین نہیں ہیں، بلکہ مسلمان ہیں جو پہلے ہی ایمان لائے ہوئے تھے۔ اُن کو شریعت کا ایک حکم سنانے کے بعد یہ فرمانا کہ "یہ حکم تم کو اس لیے دیا جارہا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ" صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ جو شخص خدا کے اِس حکم کو سننے کے بعد بھی جاہلیت کے پُرانے رواجی قانون کی پیروی کرتا رہے اُس کا یہ طرزِ عمل ایمان کے منافی ہوگا۔ ایک مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جب زندگی کے کسی معاملہ میں اس کے لیے ایک قانون مقرر کر دے تو وہ اُس کو چھوڑ کر دنیا کے کسی دوسرے قانون کی پیروی کرے، یا اپنے نفس کی خواہشات پر

ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک سزا ہے۔[۱۳] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں[۱۴] وہ اسی طرح ذلیل و خوار کر دیے جائیں گے جس طرح اُن سے پہلے کے لوگ ذلیل و خوار کیے جا چکے ہیں۔ ہم نے صاف صاف آیات نازل کر دی ہیں، اور کافروں کے لیے ذلّت کا عذاب ہے، جس دن اللہ ان سب کو پھر سے زندہ کر کے اٹھائے گا اور انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کر کے آئے ہیں۔ وہ ان کے سارے اعمال کا شمار رکھتا ہے

عمل کرتا رہے۔

[۱۳] یہاں کافر سے مراد منکر خدا و رسالت نہیں ہے، بلکہ وہ شخص ہے جو خدا اور رسول کو ماننے کا اقرار و اظہار کرنے کے بعد بھی وہ طرزِ عمل اختیار کرے جو ایک کافر کے کرنے کا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ دراصل کافروں کا کام ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم سننے کے بعد بھی اپنی مرضی چلاتے رہیں، یا جاہلیت کے طریقوں ہی کی پیروی کرتے رہیں۔ ورنہ سچے دل سے ایمان لانے والا تو کبھی یہ رویّہ اختیار نہیں کر سکتا۔ یہی بات سورۂ آل عمران میں بھی حج کی فرضیت کا حکم دینے کے بعد فرمائی گئی ہے کہ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ "اور جو کفر کرے (یعنی اس حکم کی اطاعت نہ کرے)، تو اللہ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔" ان دونوں مقامات پر "کفر" کا لفظ اس معنی میں نہیں ہے کہ جو شخص بھی ظہار کرنے کے بعد کفارہ ادا کیے بغیر بیوی سے تعلق رکھے، یا یہ سمجھے کہ ظہار ہی سے بیوی کو طلاق ہو گئی ہے، یا استطاعت کے باوجود حج نہ کرے، اُسے قاضیِ شرع کافر و مرتد ٹھیرا دے اور سب مسلمان اسے خارج از اسلام قرار دے دیں۔ بلکہ یہ اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگوں کا شمار مومنین میں نہیں ہے جو اُس کے احکام کو قول یا عمل سے رد کر دیں اور اس امر کی کوئی پروا نہ کریں کہ اُن کے رب نے اُن کے لیے کیا حدود مقرر کی ہیں، کن چیزوں کو فرض کیا ہے، کن چیزوں کو حلال کیا ہے اور کیا چیزیں حرام کر دی ہیں۔

[۱۴] مخالفت کرنے سے مراد اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو نہ ماننا اور ان کے بجائے کچھ دوسری حدیں مقرر کر لینا ہے۔ ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر یہ کرتے ہیں: ای یخالفون فی حدودہ و فرائضہ فیجعلون حدودًا غیر حدودہ "یعنی وہ لوگ جو اللہ کی حدود اور اس کے فرائض کے معاملہ میں اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اُس کی مقرر کی ہوئی حدود کی جگہ دوسری حدیں تجویز کر لیتے ہیں۔" بیضاوی نے اس کی تفسیر یہ کی ہے: ای یعادونہما ویشاقونہما او یضعون او یختارون حدودًا غیر حدودھما "یعنی اللہ اور اس کے رسول سے مخاصمت اور جھگڑا کرتے ہیں، یا ان کی مقرر کی ہوئی حدوں کے سوا دوسری حدیں خود وضع کر لیتے ہیں یا دوسروں کی وضع کردہ حدوں کو اختیار کرتے ہیں۔" آلوسی نے روح المعانی میں بیضاوی کی اس تفسیر سے اتفاق کرتے ہوئے شیخ الاسلام سعد اللہ چلپی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اس آیت میں اُن بادشاہوں اور حکامِ سوء کے لیے سخت وعید ہے جنہوں نے شریعت

خوار کر دیئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل و خوار کیے جا چکے ہیں[۵۱]۔ ہم نے صاف صاف آیات نازل کر دی ہیں، اور کافروں کے لیے ذلّت کا عذاب ہے[۵۲]۔ اُس دن (یہ ذلّت کا عذاب ہونا ہے) جب

کی مقرر کردہ حدود کے خلاف بہت سے احکام وضع کر لیے ہیں اور ان کا نام قانون رکھا ہے"۔ اس مقام پر علامہ آلوسی شرعی قوانین کے مقابلے میں وضعی قوانین کی آئینی (یعنی اسلامی نقطۂ نظر سے آئینی) حیثیت پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اُس شخص کے کفر میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے جو اِس قانون کو مستحسن اور شریعت کے مقابلہ میں افضل قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ زیادہ حکیمانہ اور قوم کے لیے زیادہ مناسب و موزوں ہے، اور جب کسی معاملہ میں اس سے کہا جائے کہ شریعت کا حکم اس کے بارے میں یہ ہے تو اس پر غصّے میں بھڑک اٹھتا ہے، جیسا کہ ہم نے بعض ان لوگوں کو دیکھا ہے جن پر اللہ کی پھٹکار پڑی ہوئی ہے۔"

۵۱؎ اصل میں لفظ کُبِتَ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں رسوا کرنا، ہلاک کرنا، لعنت کرنا، راندۂ درگاہ کر دینا، دھکّے دے کر نکال دینا، ذلیل کرنا۔ ارشادِ الٰہی کا مدّعا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور اس کے احکام سے بغاوت کا جو انجام پچھلے انبیاء کی اُمتیں دیکھ چکی ہیں اُس سے وہ لوگ ہرگز نہ بچ سکیں گے جو اب مسلمانوں میں سے یہی روش اختیار کریں۔ اُنہوں نے بھی جب خدا کی شریعت کے خلاف خود قوانین بنائے، یا دوسروں کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار کیا تب اللہ کے فضل اور اس کی نظرِ عنایت سے وہ محروم ہوئے، اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زندگی ایسی گمراہیوں، بدکرداریوں اور اخلاقی و تمدنی برائیوں سے لبریز ہوتی چلی گئی جنہوں نے بالآخر دنیا ہی میں ان کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑا۔ یہی غلطی اگر اب اُمتِ محمدیہ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مقبولِ بارگاہ بنی رہے اور اللہ اسے ذلّت کے گڑھے میں گرنے سے بچاتے چلا جائے۔ اللہ کو نہ اپنے پچھلے رسولوں کی اُمت سے کوئی عداوت تھی، نہ اِس رسول کی اُمت سے اس کا کوئی مخصوص رشتہ ہے۔

۵۲؎ سیاقِ عبارت پر غور کرنے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہاں اِس روش کی دو سزاؤں کا ذکر ہے۔ ایک کبتْ یعنی وہ خواری و رسوائی جو اِس دنیا میں ہوئی اور ہو گی۔ دوسرے عذابِ مُہین، یعنی ذلّت کا وہ عذاب جو آخرت میں ہونے والا ہے۔

اللہ ان سب کو پھر سے زندہ کر کے اٹھائے گا اور انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں مگر اللہ نے ان کا سب کیا دھرا گِن گِن کر محفوظ کر رکھا ہے[۱۷] اور اللہ ایک ایک چیز پر شاہد ہے ع ۱

کیا[۱۸] تم کو خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو[۱۹]۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اِس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا

---

۱۷ یعنی اُن کے بھول جانے سے معاملہ رفت گزشت نہیں ہو گیا ہے۔ اُن کے لیے خدا کی نافرمانی اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ایسی معمولی چیز ہو سکتی ہے کہ اس کا ارتکاب کر کے اسے یاد تک نہ رکھیں، بلکہ اسے کوئی قابلِ اعتراض چیز ہی نہ سمجھیں کہ اس کی کچھ پروا انہیں ہو۔ مگر خدا کے نزدیک یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اس کے ہاں ان کا ہر کرتوت نوٹ ہو چکا ہے۔ کس شخص نے، کب، کہاں، کیا حرکت کی، اُس حرکت کے بعد اُس کا اپنا ردعمل کیا تھا، اور اس کے کیا نتائج، کہاں کہاں، کس کس شکل میں برآمد ہوئے، یہ سب کچھ اس کے دفتر میں لکھ لیا گیا ہے۔

۱۸ یہاں سے آیت ۱۰ تک مسلسل منافقین کے اُس طرزِ عمل پر گرفت کی گئی ہے جو انہوں نے اُس وقت مسلم معاشرے میں اختیار کر رکھا تھا۔ وہ بظاہر مسلمانوں کی جماعت میں شامل تھے، مگر اندر ہی اندر انہوں نے اہلِ ایمان سے الگ اپنا ایک جتھا بنا رکھا تھا۔ مسلمان جب بھی انہیں دیکھتے، یہی دیکھتے کہ وہ آپس میں سر جوڑے کھسر پھسر کر رہے ہیں۔ اِنہی خفیہ سرگوشیوں میں وہ مسلمانوں کے اندر پھوٹ ڈالنے اور فتنے برپا کرنے اور ہراس پھیلانے کے لیے طرح طرح کے منصوبے بناتے اور نئی نئی افواہیں گھڑتے تھے۔

۱۹ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں دو اور تین کے بجائے تین اور پانچ کا ذکر کس مصلحت سے کیا گیا ہے؟ پہلے دو اور پھر چار کو کیوں چھوڑ دیا گیا؟ مفسرین نے اس کے بہت سے جوابات دیے ہیں، مگر ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ طرزِ بیان دراصل قرآن مجید کی عبارت کے ادبی حُسن کو برقرار رکھنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو عبارت یوں ہوتی: مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی اثْنَیْنِ اِلَّا ھُوَ ثَالِثُھُمْ وَلَا ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ۔ اس میں نجوی اثنین بھی کوئی خوبصورت ترکیب نہ ہوتی اور ثالث اور ثلٰثۃ کا یکے بعد دیگرے آنا بھی حلاوت سے خالی ہوتا۔ یہی قباحت اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ کے بعد وَلَا اَرْبَعَۃٍ کہنے میں بھی تھی۔ اس لیے تین اور پانچ سرگوشی کرنے والوں کا ذکر کرنے

[۲۰] پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتا دے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جنہیں سرگوشیاں کرنے سے منع کر دیا گیا تھا پھر بھی وہ وہی حرکت کیے جاتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا؟[۲۱] یہ لوگ چھُپ چھُپ کر آپس میں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں، اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں اُس طریقے سے سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے تم پر سلام نہیں کیا ہے[۲۲] اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں

کے بعد دوسرے فقرے میں اِس خلا کو یہ کہہ کر بھر دیا گیا کہ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ، سرگوشی کرنے والے خواہ تین سے کم ہوں یا پانچ سے زیادہ، بہر حال اللہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔

۲۰ یہ معیت درحقیقت اللہ جل شانہٗ کے علیم و خبیر، اور سمیع و بصیر اور قادرِ مطلق ہونے کے لحاظ سے ہے، نہ کہ معاذ اللہ اس معنی میں کہ اللہ کوئی شخص ہے جو پانچ اشخاص کے درمیان ایک چھٹے شخص کی حیثیت سے کسی جگہ چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔ دراصل اس ارشاد سے لوگوں کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ خواہ وہ کیسے ہی محفوظ مقامات پر خفیہ مشورہ کر رہے ہوں، ان کی بات دنیا بھر سے چھپ سکتی ہے مگر اللہ سے نہیں چھُپ سکتی، اور وہ دنیا کی ہر طاقت کی گرفت سے بچ سکتے ہیں مگر اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔

۲۱ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس آیت کے نزول سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو اِس روش سے منع فرما چکے تھے، اس پر بھی جب وہ باز نہ آئے تب براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمانِ عتاب نازل ہوُا۔

۲۲ یہ یہود اور منافقین کا مشترک رویّہ تھا۔ متعدد روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ کچھ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے السام علیک یا ابا القاسم کہا۔ یعنی السّلام علیک کا تلفُّظ کچھ اس انداز سے کیا کہ سننے والا سمجھے سلام کہا ہے، مگر دراصل انہوں نے سام کہا تھا جس کے معنی موت کے ہیں۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا وعلیکم۔ حضرت عائشہ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے کہا موت تمہیں آئے اور اللہ کی لعنت اور پھٹکار پڑے۔ حضورؐ نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ اے عائشہ، اللہ کو بدزبانی پسند نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے سنا نہیں کہ انہوں نے کیا کہا؟ حضورؐ نے فرمایا اور تم نے نہیں سنا کہ میں نے انہیں کیا جواب دیا؟ میں نے ان سے کہہ دیا "اور تم پر بھی" (بخاری، مسلم، ابن جریر، ابن ابی حاتم)۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ منافقین اور یہود،

کہ ہماری اِن باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟[۲۳] اُن کے لیے جہنم ہی کافی ہے۔ اسی کا وہ ایندھن بنیں گے۔ بڑا ہی بُرا انجام ہے اُن کا۔

اَے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کے حضور تمہیں حشر میں پیش ہونا ہے۔[۲۴] کانا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے، اور وہ اس لیے کی جاتی ہے کہ ایمان لانے والے لوگ اُس سے رنجیدہ ہوں، حالانکہ بے اذنِ خدا وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا

دونوں نے سلام کا یہی طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ (ابن جریر)

۲۳؎ یعنی وہ اپنے نزدیک اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول نہ ہونے کی دلیل سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر یہ رسول ہوتے تو جس وقت ہم انہیں اِس طریقہ سے سلام کرتے اُسی وقت ہم پر عذاب آجاتا۔ اب چونکہ کوئی عذاب نہیں آتا، حالانکہ ہم شب و روز یہ حرکت کرتے رہتے ہیں، لہٰذا یہ رسول نہیں ہیں۔

۲۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ نجویٰ (آپس میں راز کی بات کرنا) بجائے خود ممنوع نہیں ہے، بلکہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا انحصار اُن لوگوں کے کردار پر ہے جو ایسی بات کریں، اور اُن حالات پر ہے جن میں ایسی بات کی جاتے، اور اُن باتوں کی نوعیت پر ہے جو اِس طریقے سے کی جائیں۔ جن لوگوں کا اخلاص، جن کی راستبازی، جن کے کردار کی پاکیزگی معاشرے میں معلوم و معروف ہو، اُنہیں کسی جگہ سر جوڑے بیٹھے دیکھ کر کسی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ آپس میں کسی شرارت کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ بخلاف اس کے جو لوگ شر اور بدکرداری کے لیے معروف ہوں اُن کی سرگوشیاں ہر شخص کے دل میں یہ کھٹک پیدا کر دیتی ہیں کہ ضرور کسی نئے فتنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ اِسی طرح اتفاقاً کبھی دو چار آدمی باہم کسی معاملہ پر سرگوشی کے انداز میں بات کرلیں تو یہ قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگوں نے اپنا ایک جتھا بنا رکھا ہو اور ان کا مستقل وتیرہ یہی ہو کہ ہمیشہ جماعتِ مسلمین سے الگ ان کے درمیان کھسر پھسر ہوتی رہتی ہو تو یہ لازماً خرابی کا پیش خیمہ ہے۔ اور کچھ نہیں تو اس کا کم سے کم نقصان یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں میں پارٹی بازی کی بیماری پھیلتی ہے۔ ان سب سے بڑھ کر جو چیز نجویٰ کے جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ کرتی ہے وہ اُن باتوں کی نوعیت ہے جو نجویٰ میں کی جائیں۔ دو آدمی اگر اس لیے باہم سرگوشی کرتے ہیں

چاہیے۔[۲۵]

کہ کسی جھگڑے کا تصفیہ کرانا ہے، یا کسی کا حق دلوانا ہے، ــــــــ یا کسی نیک کام میں حصہ لینا ہے، تو یہ کوئی برائی نہیں ہے، بلکہ کارِ ثواب ہے۔ اس کے برعکس اگر یہی نجویٰ دو آدمیوں کے درمیان اس غرض کے لیے ہو کہ کوئی فساد ڈلوانا ہے۔ یا کسی کا حق مارنا ہے، یا کسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ غرض بجائے خود ایک برائی ہے اور اس کے لیے نجویٰ برائی پر برائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں آدابِ مجلس کی جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ اذا کنتم ثلاثۃ فلا یتناجی اثنان دون صاحبھما فان ذالک یحزنہ۔ "جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں کھسر پھسر نہ کریں، کیونکہ یہ تیسرے آدمی کے لیے باعثِ رنج ہوگا" (بخاری۔ مسلم۔ مسند احمد۔ ترمذی ابوداؤد)۔ دوسری حدیث میں حضورؐ کے الفاظ یہ ہیں فلا یتناجی اثنان دون الثالث الا باذنہ فان ذالک یحزنہ۔ "دو آدمی باہم سرگوشی نہ کریں مگر تیسرے سے اجازت لے کر، کیونکہ یہ اس کے لیے باعثِ رنج ہوگا" (مسلم)۔ اسی ناجائز سرگوشی کی تعریف میں یہ بات بھی آتی ہے کہ دو آدمی تیسرے شخص کی موجودگی میں کسی ایسی زبان میں بات کرنے لگیں جسے وہ نہ سمجھتا ہو۔ اور اس سے بھی زیادہ ناجائز بات یہ ہے کہ وہ اپنی سرگوشی کے دوران میں کسی کی طرف اس طرح دیکھیں یا اشارے کریں جس سے یہ ظاہر ہو کہ ان کے درمیان موضوعِ بحث وہی ہے۔

۲۶؎ یہ بات اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کو کچھ لوگوں کی سرگوشیاں دیکھ کر یہ شبہ بھی ہو جائے کہ وہ اسی کے خلاف کی جا رہی ہیں، تب بھی اسے اتنا رنجیدہ نہ ہونا چاہیے کہ محض شبہ ہی شبہ پر کوئی جوابی کارروائی کرنے کی فکر میں پڑ جائے، یا اپنے دل میں اس پر کوئی غم، یا کینہ، یا غیر معمولی پریشانی پرورش کرنے لگے۔ اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ اعتماد اس کے قلب میں ایسی قوت پیدا کر دیگا کہ بہت سے فضول اندیشوں اور خیالی خطروں سے اس کو نجات مل جائے گی اور وہ اشرار کو ان کے حال پر چھوڑ کر پورے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے گا۔ اللہ پر توکل کرنے والا مومن نہ تھڑدلا ہوتا ہے کہ ہر اندیشہ و گمان اس کے سکون کو غارت کر دے، نہ کم ظرف ہوتا ہے کہ غلط کار لوگوں کے مقابلے میں آپے سے باہر ہو کر خود بھی خلافِ انصاف

حرکتیں کرنے لگے۔

آپ کی ذاتی لائبریری
میں ان کتب کی موجودگی' آپ کے
اچھے ذوق کی
علامت ہے!

سیرت ختم الرسل

مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں نبی اکرمؐ کی سیرت پاک پر اب تک جو کچھ لکھا ہے وہ سب اس میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔

تحریک اسلامی شاہ ولی اللہ

خورشید احمد کے قلم سے' برصغیر کے اس اہم تاریخی دور کا ایک تجزیاتی مطالعہ۔

پھر ایک کارواں لٹا

نعیم صدیقی کا تازہ ترین مجموعہ کلام۔ عالم اسلام میں تحریک اسلامی کو پیش آنے والے ابتلا پر ایک شاعر کے احساسات۔

کامیابی کی شرائط اسلام کی اجتماعی تحریک کی کامیابی کن امور کے ساتھ مشروط ہے اور کون سی خامیاں زوال کا باعث ہوتی ہیں۔ اس موضوع پر مولانا مودودی کی تحریرات پہلی مرتبہ کتابی شکل میں۔ تربیت و تزکیہ کے لئے ایک لازمی کتاب۔

مخلوط تعلیم

تعلیمی اور معاشرتی زندگی کے اس اہم مسئلہ کا ایک حقیقت پسندانہ جائزہ

ادارہ مطبوعات طلبہ ۲/۶۷ سبیلہ چوک، کراچی